Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 252-262
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

برصغیر کی سیرت نگاری میں عقلی رجحانات کا جائزہ

A Review of Rationalist Trends in Sīrah Writing in the Indian Subcontinent

1. Hafiza Sana Quddus *hafiz.201308047@gcuf.edu.pk*	*PhD Scholar,* *Department of Arabic and Islamic Studies,* *Government College University, Faisalabad.*
2. Dr. Hamid Raza *hamid.raza@gcuf.edu.pk*	*Assistant Professor,* *Department of Arabic and Islamic Studies,* *Government College University, Faisalabad.*

How to Cite:	Hafiza Sana Quddus and Dr. Hamid Raza. 2026: "A Review of Rationalist Trends in Sīrah Writing in the Indian Subcontinent". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 252-262.
Article History:	**Received**: 25-05-2026 | **Accepted**: 22-06-2026 | **Published**: 30-06-2026
Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

برصغیر کی سیرت نگاری میں عقلی رجحانات کا جائزہ

A Review of Rationalist Trends in Sīrah Writing in the Indian Subcontinent

1. **Hafiza Sana Quddus**
PhD Scholar,
Department of Arabic and Islamic Studies, Government College University, Faisalabad.
hafiz.201308047@gcuf.edu.pk

2. **Dr.Hamid Raza**
Assistant Professor,
Department of Arabic and Islamic Studies, Government College University, Faisalabad.
hamid.raza@gcuf.edu.pk

Abstract

Sīrah writing constitutes a fundamental and significant dimension of the intellectual history of Islam. It is not merely a narration of historical events; rather, it seeks to develop a sound Sharʿī and intellectual understanding of the blessed life of the Prophet Muhammad ﷺ, derive guidance from his exemplary conduct, and present its enduring message in accordance with the needs of every age. As a dynamic intellectual discipline, Sīrah writing has continually responded to emerging intellectual, social, and cultural questions while remaining rooted in the Qurʾān and Sunnah. In the contemporary era, diverse intellectual trends have influenced the study and interpretation of Sīrah, particularly rationalist approaches that seek to reinterpret Prophetic narratives through reason and historical criticism. In the Indian subcontinent, such approaches have contributed significantly to the development of modern Sīrah literature. The present study, "Rationalist Trends in Sīrah Writing in the Indian Subcontinent: A Critical and Analytical Study," examines the emergence, methodological characteristics, and major features of these trends and critically evaluates them in the light of established principles of Islamic scholarship.

Keywords: *Sīrah Writing, Indian Subcontinent, Rationalist Trends, Intellectual History, Methodology.*

تمہید

علم سیرت نگاری اسلامی تاریخِ فکر کا ایک بنیادی اور حساس ترین ستون ہے۔ یہ صرف تاریخی واقعات کا مجرد بیان نہیں بلکہ اس کا بنیادی مقصد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا شرعی و فکری ادراک، بطور مسلمان اس سے ہدایت ورہنمائی کا حصول اور اسے عصر حاضر کے تناظر میں مؤثر انداز میں پیش کرنا ہے۔ سیرت نگاری ایک متحرک علمی فعالیت ہے جو ہر دور میں نئے سوالات اور نئی ضروریات کے مطابق رہنمائی فراہم کرنے کا معتبر و مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید و فرقان حمید کے بعد شریعتِ رسول ﷺ دینِ اسلام کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ محبت رسول ﷺ کے ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم بھی کلام الٰہی میں واضح الفاظ کے ساتھ دیا گیا۔

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ"[1]

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس پر عمل تبھی ممکن ہے جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیاتِ مبارکہ کا گوشہ گوشہ ہماری زندگیوں کو منور کرنے کے لئے مہیا ہو۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے لئے جس لفظ کا خصوصی طور پر اطلاق کیا جاتا ہے وہ "سیرت" ہے۔ سیرت کو عربی میں "السیرۃ" لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ اس کا مادہ سیر بمعنی چال اور جمع سیر ہے۔ سیرت اسم ہے اور اس سے فعل سار، یسیر، باب ضرب سے مستعمل ہے بمعنی چلنا پھرنا، جانا، سفر کرنا، عمل کرنا، مشہور ہونا وغیرہ۔ اسی سار یسیر کا اسم دوسرے معنوں میں روش، طور طریقہ، چال چلن، ڈھنگ، طرزِ زندگی، کردار، سنت عادت ہیئت کے ہیں۔[2] چونکہ سیرت کا لفظ حیات انسانی کے اس درجہ کمال کو واضح کرتا ہے جو انسانیت کے لئے مکمل مشعل راہ ہو، لہٰذا وہ طرز زندگی انسان کامل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی دکھائی دیتی ہے جو ہر خطا اور تقصیر سے پاک ہے اور انسانی اوصاف کی معراج ہے۔ اسی لیے تمام اشخاص کی سوانح عمری کو "سیرت" کہنا زیادتی ہے۔[3] اس لحاظ سے سیرت رسول ﷺ میں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے حالات، واقعات، معجزات، غزوات، اخلاق و کردار الغرض وہ تمام پہلو جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق آپ کی ذات مبارکہ سے ہے، شمار ہوتے ہیں۔

چودہ سو سالوں سے اسلامی ادب کے اس حصے نے مختلف ارتقائی مراحل طے کیے ہیں جو بعض اوقات حالات کی تبدیلی کی بناء پر ہوئے اور بعض اوقات حالات و واقعات میں تبدیلی کی بنیاد ہے۔ سیرت رسول ﷺ کو بنیادی طور پر دو اہم نکات میں مرتب کیا جاتا ہے:

1. روایاتِ سیرت کے ماخذ و مصادر
2. سیرت نگاری کے اسالیب و مناہج

ان کا تفصیلی جائزہ درج ذیل ہے:

روایات سیرت کے ماخذ و مصادر

روایات سیرت کے بنیادی طور پر دو اہم ماخذ قرآن کریم و صحیح احادیث رسول ﷺ ہیں جبکہ ثانوی ماخذ میں کتب سیرت، عربی لغت و ادب (شاعری)، کتب تاریخ و جغرافیہ اور کتب مقدسہ شامل ہیں۔ ان ماخذ و مصادر سے حاصل ہونے والی روایات حیات رسول ﷺ کی مکمل و جامع تصویر پیش کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔[4] ان تمام روایات کو سیرت نگاروں نے اپنے اپنے ذوق و استعداد کے مطابق قلم بند کیا۔ بعض نے روایات کی تعداد کو اہمیت دی اور بعض نے ان روایات کی صحت کو زیادہ اہم تصور کیا۔ نتیجتاً روایاتِ سیرت کا وہ قابلِ قدر ذخیرہ وجود میں آیا جس نے نہ صرف عالم اسلام، بلکہ غیر مسلم مصنفین کو بھی یہ کہنے پر مجبور کیا کہ سیرت نگاروں کی فہرست میں اپنا نام شامل کرنا یقیناً قابل فخر لمحہ ہے۔[5]

روایات سیرت کی صحت و استنادی حیثیت کو ان کے ماخذ و مصادر کے لحاظ سے دو بنیادی طریقوں سے جانچا جا سکتا ہے:

1. بنیادی ماخذ کی روایات کی تشریح
2. ثانوی ماخذ کی روایات کی ترجیح

قدیم سیرت نگاروں نے روایات سیرت کی جمع و تطبیق کو زیادہ فوقیت دی کیونکہ ان کے نزدیک ان روایات کا محفوظ ہونا زیادہ اہم تھا، جبکہ متاخرین سیرت نگاروں نے ان روایات کی جانچ پرکھ کرتے ہوئے صحیح ضعیف و موضوع روایات کی درجہ بندی کی۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روایات سیرت نے ابتدائی مراحل میں محدثانہ طرز پر اسنادی طریقہ کار کو اپنایا، جو عہد وسط میں روایات کی جمع آوری سے ہوتا ہوا عصر حاضر میں تحقیق کی شرط سے منسلک ہو کر روایات کی استنادی حیثیت کی وضاحت پر منتج ہوا۔

سیرت نگاری کے اسالیب و مناہج

سیرت نبوی ﷺ کی تدوین و تفہیم کے لئے اسلامی علمی روایت ایک ایسا میدان ہے جس میں ابتداء ہی سے نقل اور فہم کا باہمی رشتہ کار فرما ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور سے لے کر متاخرین تک سیرت نگاروں نے روایات کو محض جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تفہیم، تشریح اور بعض اوقات تاویل کی ضرورت کو بھی محسوس کیا۔ یہ عمل کسی خلا میں واقع نہیں ہوا بلکہ ہر دور کے فکری، علمی اور تہذیبی تناظر نے اس تفہیم کی نوعیت کو متاثر کیا۔ سیرت نگاری کے لئے دو الفاظ "اسلوب" اور "منہج" کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

لغوی اعتبار سے نہج، منہج اور منہاج واضح راستے کو کہتے ہیں۔نہج الطریق النهج ،استنهج: راستہ واضح ہونا۔ نہج الطریق و أنهجة :راستے کو واضح کرنا،نهجه:روش اختیار کرنا۔[6] جبکہ اردو میں اسلوب کی یہ تعریف متعین کی گئی ہے:

> "اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے۔"[7]

پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ منہج (Methodology) کسی ہدف تک پہنچنے کا باقاعدہ اور مقرر کردہ نظریاتی راستہ یا اصول ہے جبکہ اسلوب (style) اسی نظریے یا بات کو بیان کرنے کا شخصی انداز ہے۔ سیرت نگاری کی طویل علمی روایت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نگاروں نے بنیادی طور پر تین مختلف مناہج یا طرز فکر اختیار کیے ہیں۔ یہ تینوں مناہج اپنے منہجی اصولوں کے اعتبار سے نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے بھی ممتاز ہیں۔ یہ مناہج درج ذیل ہیں:

اوّل: نقلی منہج

سیرت نگاری کا سب سے قدیم اور روایتی طریقہ جسے ابتدائی سیرت نگاروں نے اختیار کیا اسے نقلی منہج کہا جا سکتا ہے۔ اس منہج کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ روایات کو ان کے ماخذ و مصادر سے من و عن قبول کر لیا جاتا ہے۔ اس طرز فکر میں تمام دستیاب راویان کو بالعموم برابر مقام دیا جاتا ہے اور درایتی بنیادوں پر چھان بین کی نسبت نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس منہج کا اولین فائدہ یہ ہوا کہ سیرت طیبہ کے بارے میں کثرت روایات محفوظ رہیں اور مختلف زاویوں سے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے واقعات ہمارے پاس جمع ہو گئے کیونکہ ہر روایت خواہ وہ کتنی ہی جزوی کیوں نہ ہوں سیرت کے کسی نہ کسی پہلو پر لازمی روشنی ڈالتی ہے۔ تاہم اس طرز فکر کے منفی اثرات بھی سامنے آئے، جیسا کہ روایات کی چھان بین کے لئے کسی سخت پیمانے کی غیر موجودگی کی بدولت ضعیف اور غیر معتبر روایات بھی کتب سیرت کا حصہ بنیں۔ جنھوں نے مکمل ذخیرہ کتب سیرت کی صحت کو مشکوک قرار دے دیا۔ سیرت ابن اسحاق[8] سے مواہب لدنیا[9] تک سیرت کی اہم امہات الکتب اسی منہج کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔

دوم: عقلی منہج

اس کے برعکس دوسرا منہج وہ ہے جسے عقلی منہج کہا جا سکتا ہے۔ اس منہج کے تحت ہر روایت کو عقل کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور خلاف عقل روایات کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اس طرز فکر کی نمایاں خصوصیت میں عقلی، سائنسی اور منطقی اصولوں کا اطلاق شامل ہے۔ اس منہج کے

تحت پیش کی جانے والی روایات نہ صرف جدید سائنسی فکر سے مطابقت رکھتی ہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بھی قابل قبول ٹھہرتی ہیں۔ تاہم اس منہج کے منفی پہلو بھی نہایت غور طلب ہیں کیونکہ اس کے تحت بہت سی مستند اور معتبر روایات بھی محض اس بناء پر رد کر دی جاتی ہیں کہ وہ بظاہر عقل کے محدود دائرہ کار میں نہیں آتیں، حالانکہ یہ نکتہ بعید از قیاس نہیں کہ وہ روایات اپنی حقیقت میں درست ہوں، مگر انسانی عقل میں ان کا احاطہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ سر سید احمد خان کی خطبات احمدیہ[10] اور غلام پرویز احمد[11] کی معراجِ انسانیت اسی منہج کی نمائندہ کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

سوم: معتدل یا متوازن منہج

درج بالا دونوں مناہج کی نسبت یہ طرز فکر روایات کو تاریخی سیاق و سباق میں پرکھنے کے ساتھ ساتھ عقل سے ہم آہنگی کی ضرورت پر بھی زور دیتا ہے، اس منہج کے تحت صرف روایات پر انحصار نہیں کیا جاتا بلکہ سائنسی شواہد کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے اور عقل و نقل کے مابین ایک ایسا توازن قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں دونوں ذرائع کو ان کے اپنے اپنے دائرہ کار میں معتبر سمجھا جائے۔

اس منہج کے تحت سیرت کے کسی بھی واقعے کو ایک سے زیادہ زاویوں سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش کم ہو جاتی ہے اور سیرت کا نسبتاً متوازن اور جامع تصور سامنے آتا ہے، مگر اس منہج کی محدودیت اس کا مشکل اور دشوار طرز عمل ہے کیونکہ یہ طرز فکر سیرت نگار سے تاریخی تنقید، عقلی استدلال اور روایتی علوم حدیث و تفسیر میں یکساں مہارت کا متقاضی ہے۔ شبلی نعمانیؒ[12] کی سیرۃ النبی ﷺ اور قاضی سلیمان منصور پوریؒ[13] کی رحمۃ للعالمین کو اس منہج کے قریب ترین کوشش کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

درج بالا بنیادی مناہج کے ساتھ سیرت نگاروں نے سیرت کی روایات کو قلم بند کرنے کے لئے مختلف اسالیب کو اختیار کیا۔ ان میں محدثانہ، فقیہانہ متکلمانہ، صوفیانہ اسالیب سیرت نگاروں کے ذوق و شوق کا ثبوت ہیں۔[14] اسی طرز پر سائنسی، سیاسی، سماجی اور عقلی سیرت نگاری نے بھی حیات رسول ﷺ کو مختلف پیرائے میں بیان کیا اور سیرت مبارکہ کے متنوع پہلوؤں سے روشناس کرایا۔

سیرت نگاری کے ان جدید رجحانات کا تعلق عالم اسلام میں رونما ہونے والی سیاسی، سماجی اور تاریخی تبدیلیوں سے بھی ہے۔ استعماری قوتوں کا اسلامی ممالک پر غلبہ مسلمانوں کی ثقافتی و سماجی پسماندگی اور مغرب میں جدید علوم کی ترقی نے نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ اسلامی علوم پر بھی خاطر خواہ اثرات مرتب کیے۔ ان تمام حالات میں امت مسلمہ میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے احیائے اسلام اور مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کا خواب مسلمانوں کی آنکھوں میں بسایا اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو تحریکی و انقلابی نکتہ نظر سے مسلمانانِ عالم کے سامنے پیش کیا۔[15] مذکورہ سیرت نگاروں کا تعلق انیسویں و بیسویں صدی سے رہا۔ اس دور کے سیرت نگاروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- وہ سیرت نگار جنھوں نے مغربی برتری کو بصد چشم قبول کرتے ہوئے عقلی سیرت نگاری کو اپنایا۔
- وہ سیرت نگار جنھوں نے مغربی برتری کو بطور آزمائش قبول کرتے ہوئے انقلابی / حرکی سیرت نگاری کو اپنایا۔

برصغیر میں عقلی سیرت نگاری کے محرکات و رجحانات

برصغیر میں اسلامی حکومت کا آغاز محمد بن قاسم کی فتح سندھ (712-713ء) کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ سندھ میں مسلم حکومت کے آغاز نے برصغیر میں اسلامی علوم وفنون کے راستے کھول دیئے۔[16] بارہویں صدی کے اواخر میں اسلامی حکومت کے باقاعدہ آغاز کے ساتھ اسلامی علوم نے اوج کمال حاصل کیا۔ ابتداء میں ان علوم کا مرکز مساجد ہی ہوا کرتی تھیں مگر وقت گزرنے کے

ساتھ ساتھ یہ تعلیم وتربیت کی ایک منظم شکل اختیار کر گئے۔ مغلیہ دور میں علم القرآن، علم الحدیث، علم الفقہ، علم سیرت و دیگر علوم کے باقاعدہ نصاب مقرر کئے گئے اور مدارس کا باضابطہ آغاز ہوا۔[17] اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کی کتاب سرور المخزون کو پہلی درسی سیرتی کتاب کا درجہ حاصل ہے۔[18] جو عیون الاثر کی تلخیص کے طور پر لکھی گئی۔ چونکہ یہ پرفتن دور مختلف اقوام اور سلاطین کے ذریعے برصغیر پر ابتدائی اثرات مرتب کرتا رہا جس کی وجہ سے کتبِ سیرت میں جامعیت کا عنصر مفقود رہا۔ ابتدائی طور پر برصغیر میں سیرت نگاری روایتی طرزِ تحریر پر ہی مشتمل تھی۔ برصغیر کی سیرت نگاری کو روایتی طرز سے تبدیل کر کے عقلی و استنادی سیرت نگاری کی طرف پھیرنے میں درج ذیل اہم محرکات نمایاں رہے:

1. مغل بادشاہ اکبر کا فتنہ "دین الٰہی"
2. مغربی مستشرقین کی فکری استعماریت
3. مسلمانوں کا فکری زوال اور جدید دینی تعبیر کی ضرورت

مغل بادشاہ اکبر کا فتنہ "دین الٰہی"

پندرہویں صدی عیسوی میں مغل بادشاہ اکبر نے دین اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اکبر کے ریاستی معاہدوں نے برصغیر اور دربار شاہی کی غیر مسلم قوتوں کو اس قدر عروج دیا کہ ان قوتوں کو خوش کرنے کے لئے اکبر نے دین اسلام کے عقائد و نظریات کے متعلق نہایت نازیبا خیالات کو ترویج دی۔[19]

نبوت، معجزات، آخرت، جنت دوزخ غرض ہر چیز کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ یہ نظریہ عام کر دیا گیا کہ اسلام جاہل بدوؤں میں نازل ہوا۔ وحی الٰہی کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ ذات نبوی ﷺ پر اعتراضات کیے گئے، خصوصاً معراج، تعدد ازدواج، جہاد جیسے موضوعات کو کھلم کھلا طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا جانے لگا۔[20] اس نازک موقع پر دو اہم سیرت نگاروں کے نام سامنے آتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی (1564-1624ء) اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی (1551-1642) ان دونوں حضرات نے برصغیر میں رائج روایتی سیرت نگاری سے قطع نظر بالترتیب موضوعاتی اور تاریخی سیرت نگاری پر کام کیا۔ مجدد الف ثانی کی کتاب "رسالہ اثبات النبوۃ" نبوت محمدیہ کے اثبات میں لکھی گئی جس میں معجزات اور وحی الٰہی کے متعلق دلائل پیش کئے گئے اور اعجاز القرآن کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔[21]

اس عہد کی دوسری اہم کتاب شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی "مدارج النبوۃ" ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک حیات مبارکہ کے تمام اہم واقعات کو جن میں ہجرت، غزوات، شمائل و فضائل شامل ہیں، نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا۔ بنیادی طور پر اس کتاب کو برصغیر کی پہلی جامع کتاب ہونے کا درجہ حاصل ہے جس نے برصغیر میں سیرت نگاری کو ایک نئی جہت دی جو بعد میں آنے والے تقریباً تمام سیرت نگاروں کی طرف سے بطور حوالہ پیش کی گئی۔ مجموعی طور پر سیرت نگاری کا یہ اسلوب مقبولیت عامہ تو حاصل نہ کر سکا مگر برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے دینی و قلبی میلان کی بدولت میلاد النبی ﷺ، معراج النبی ﷺ، قصائد النبی ﷺ اور وفاۃ النبی ﷺ جیسے موضوعات پر کتب سیرت تحریر کیں جن میں شمائل و فضائل کا درجہ علمی و تاریخی اسناد کی نسبت زیادہ رہا۔[22]

مستشرقین کی فکری استعماریت

برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کا مقصد اس خطہ پر سیاسی، تعلیمی، تہذیبی تسلط حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ برطانوی استعماریت کے نتیجے میں عیسائی پادریوں نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف عیسائیت کی کھلم کھلا تبلیغ کا آغاز کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام پر بھی رکیک حملے کئے۔ مسلمانوں نے سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے شکست خوردہ ہونے

کے باوجود ان حملوں کا بھرپور دفاع کیا۔ یہ دفاع چاہے عیسائی پادریوں کے خلاف مناظروں کا مؤثر سلسلہ ہو یا کتب سیرت کی مدد سے مدلل جوابات ہوں۔ علماء حق نے اپنی اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھانے کی کوشش کی۔ مستشرقین کے خلاف اس جنگ میں مسلمان دو مکاتب فکر میں تقسیم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک مکتبہ فکر جو سیرت رسول ﷺ کا دفاع اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے کرنے کا قائل تھا جبکہ دوسرا مکتبہ فکر مغربی سائنسی و علمی برتری سے متاثر ہونے کی بناء پر سیرت کی ان روایات کو جو مستشرقین کے اعتراضات کی بنیاد بن رہی تھیں، ضعیف اور خلاف عقل ثابت کرتے ہوئے رد کرنے کا قائل تھا۔

مذکورہ بالا دونوں مکاتب فکر کا مقصد اور نیت اگرچہ مشترک تھی جو بلاشک وشبہ "دفاع سیرت رسول ﷺ" تھی مگر نکتہ نظر اور طریقہ کار میں اختلاف کی بناپر سیرت نگاری میں واضح فرق کی بنیاد بنا، جس نے برصغیر کی سیرت نگاری پر نہایت دیرپا اثرات مرتب کیے۔

مسلمانوں کا فکری زوال اور جدید دینی تعبیر کی ضرورت

مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ شاندار تاریخ کے زوال کو فکری قوتوں نے ہمیشہ علم سے محرومی اور تلوار سے دوری کے ساتھ مشروط کیا، جبکہ حقیقت پسندانہ تجزیہ اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام پسماندگیوں کا تعلق سماجی ابتری اور فکری استعداد میں کمی سے ہے۔ اس نکتہ کو فکری ارتقاء کے زاویے میں تبدیلی سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں نے جب تک حکومت، عزت اور فضلیت حاصل کی ان کا بنیادی مقصد "حق کی سربلندی" تھا۔ یہ کوشش چاہے فکری میدان میں ہو یا عسکری میدان میں مسلمانوں میں اخلاقی طور پر یہ جذبہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہ علم و فکر اور سیاسی قیادت میں حق کی نشاندہی کرنے سے گھبراتے نہیں تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ کم ہوتا گیا۔ سیاسی طور پر بادشاہت وملوکیت نے مسلمانوں سے حق تنقید چھین کر فرض خوشامد رائج کر دیا۔ جبکہ علمی و فکری میدان میں تحقیق کا دامن چھوڑ کر تقلید اور پھر تنقید کا پہلو پکڑ لیا جس نے مسلمانوں سے وہ صلاحیت چھین لی جو دین و دنیا میں ترقی کا راستہ اپنانے پر ابھارتی تھی۔ جہاں ایک طرف مسلمانوں نے اس طرز فکر سے اپنا دامن چھڑا لیا تو دوسری طرف مغرب نے اس سوچ کو تھام لیا۔ کلیسا سے نجات حاصل کرنے کے بعد، فرانسیسی انقلاب نے بالآخر بادشاہت کو بھی مغربی معاشرے سے نکال باہر کیا اور یوں مغرب نے سیاسی و علمی میدان میں ترقی کے راستے پر قدم رکھا۔ اسلام اور مغرب کے اس سفر میں فرق صرف اس بنیادی نکتہ کا تھا کہ اسلامی ترقی کا مقصد دین الٰہی کی سربلندی تھا جبکہ مغربی ترقی کا مقصد مادی خوشحالی تھا۔

قدامت پسندی اور جدت پسندی کے درمیان کشمکش نے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک گروہ نے مغربی ترقی کی چکاچوند سے متاثر ہوتے ہوئے مغربی طریقہ تعلیم کو لازم وملزوم قرار دیا، جبکہ دوسرے گروہ نے مغرب سے مکمل لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے مغربی تعلیم اور علوم و فنون کو گناہ قرار دیا۔ اس کشمکش کے نتیجے میں مدارس دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جہاں صرف مذہبی تعلیم دی جاتی تھی اور دوسرے وہ جہاں کا مقصدِ واحد مغربی تعلیم کا حصول تھا۔ اس فکری چپقلش کی بناء پر اسلام کو جدید معاشرتی تعبیرات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش دم توڑنے لگیں اور اسلامی روایات کو فرسودہ بیانات کے طور پر پیش کر کے اسلام کو ایک متروک دین ثابت کیا جانے لگا۔ ان محرکات کے رد عمل میں سیرت نگاری کے درج ذیل رجحانات سامنے آئے:

1. مناظراتی رجحان / مناظرانہ اسلوب
2. اعتزازی رجحان / مدافعانہ اسلوب
3. تحریکی رجحان / تحریکانہ اسلوب

مناظراتی رجحان

انیسویں و بیسویں صدی میں برصغیر میں مختلف مذاہب کے مابین نظریاتی کشمکش نے اس رجحان کو جنم دیا تھا۔ یہ اسلوب اس وقت کی فکری ضرورت کا لازمی نتیجہ تھی۔ جب مستشرقین، عیسائی مشنری اور ہندو احیاء پسند تحریکیں مجموعی طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف برسرپیکار تھیں اور سیرت نگاری کا روایتی انداز (جس میں تاریخی اور عقیدتی مظہر نمایاں تھا) ان حملوں کا سامنا کرنے سے قاصر دکھائی دیتا تھا۔ مستشرقین کی تصانیف اور عیسائی مبلغین نے اسلام اور ذات رسول ﷺ کے خلاف ایک منظم علمی مہم شروع کر رکھی تھی جس کو آریہ سماج تحریکیں مزید تقویت دے رہی تھیں، نتیجتاً مغربی تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان فکری ارتداد کا شکار ہونے لگے۔ بقول محمد حسین ہیکل:

"مستشرقین اپنی دروغ گوئی اس شاطرانہ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ان پر حقیقت کا یقین ہونے لگتا ہے۔"[23]

اس سارے تناظر میں سیرت نگاری کا وہ رجحان سامنے آیا جسے "مناظرانہ سیرت نگاری" کہا جاتا ہے۔ سیرت نگاری کے اس اسلوب کے تحت معترضین کے متون کا رد کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر بھی دلائلی طور سے جارحانہ علمی گرفت کی جاتی ہے۔ اس رجحان کے تحت علماء برصغیر نے اسلام مخالف تحریکات اور تصنیفات کے رد میں کتب اور رسالے تحریر کیے۔ چنانچہ بسا اوقات ایک ایک کتاب کی تردید میں کئی کئی مصنفین نے قلم اٹھائے۔[24] جیسا کہ پادری عماد الدین کی کتاب "تحقیق الایمان" کے رد میں حالی کی "تریاق مسموم،" مولوی چراغ علی کی "تعلیقات" اور مولانا قاسم نانوتوی کی " آب حیات" اسی مناظرانہ اسلوب کے تحت سامنے آئیں۔[25] اسی رجحان کے تحت ایک بہترین کتاب سید امیر علی The Spirit of Islam ہے جو پہلی بار 1873ء میں شائع ہوئی۔[26] اس رجحان کے دیگر نمائندہ سیرت نگاروں میں الطاف حسین حالی، رحمت اللہ کیرانوی، سید نواب علی وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے اسلام اور بانی اسلام کے دفاع کا حق ادا کیا۔[27]

اعتزاری رجحان

برصغیر کے مسلمان چونکہ سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر مغلوبیت کا شکار تھے، لہٰذا احساس کمتری اور احساس محرومی جیسے جذبات نے ان کی فکری و نظری استعداد کو بھی متاثر کیا۔ ان حالات میں سیرت نگاری کا وہ رجحان سامنے آیا جس میں مستشرقین اور دیگر معاندین اسلام کے الزامات کے رد میں اسلامی روایات و محیر العقول واقعات کا رد کرنا یا ان کی عقلی توجیہ پیش کرنا بہترین حکمت عملی تصور کی گئی۔ اس رجحان کے نمائندہ اوّل سر سید احمد خان ہیں جن کی کتاب "الخطبات الاحمدية في العرب والسيرة الحمدية" اس سلسلے میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب ایک اسکاٹش مستشرق ولیم میور (1819-1905ء) کی کتاب The Life of Muhammad کے جواب میں لکھی گئی۔ ولیم میور نے یہ کتاب ایک عیسائی پادری (فنڈر) Rev.G.G Fonder کے اصرار پر مرتب کی۔[28] ولیم میور کی اس کتاب کا بنیادی مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کو تاریخی و علمی حقائق کا رنگ دے کر پیش کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے اسلامی کتب سیرت میں موجود ضعیف روایات کی بے بنیاد تاویلات پیش کر کے اپنے عقائد نظریات کو مغربی اصولِ تحقیق کا جامہ پہنا کر پیش کیا گیا تا کہ لایعنی اعتراضات کو مستند و مدلل انداز میں ثابت کیا جا سکے۔ سر سید نے اپنی میں ان تمام اعتراضات کے جواب اصول عقلیت پسندی کو مد نظر رکھتے ہوئے دیئے، مگر عقلیت پسندی کا یہ اصول بعض مقامات پر عقلیت پرستی میں تبدیل ہو گیا جس کے نتیجے میں سیرت کے مافوق الفطرت واقعات کا انکار اور معجزات کی تاویل اس اسلوب کی بنیاد ٹھہری۔ اس اسلوب نے برصغیر کی سیرت نگاری پر مثبت و منفی گہرے اثرات مرتب کیے۔ جس نے ایک طرف

سیرت کے ماخذ کی تحقیق اور چھان بین کی ضرورت پر زور دیا تو دوسری طرف روایات سیرت کی عقلی توجیہات کا رستہ آسان کر دیا، جو جمہور امت کے روایتی عقائد سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔

تحریکانہ رجحان

برصغیر میں تحریکانہ سیرت نگاری کے پس منظر میں ایک فکری وارتقائی عمل کار فرما رہا ہے جس کی بنیاد میں برطانوی استعمار کا سیاسی و سماجی غلبہ نہیں بلکہ تہذیبی تسلط تھا۔ اس محرک کے زیر اثر سیرت نگاری کا انقلابی و تحریکی رجحان سامنے آیا جس کا بنیادی مقصد مسلمانان عالم میں عملی تحریک، انقلابی جذبہ اور اخلاقی تبدیلی پیدا کرنا تھا۔ اس رجحان کے تحت سیرت رسول ﷺ کو تاریخی یا کلامی بحث سے قطع نظر انسانی زندگی کے لئے بہترین متحرک اور قابل عمل نمونہ کے طور پر پیش کرنا ہے۔ ڈاکٹر محمد العضبان المنہج الحرکی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"الخطوات المنهجية إلى تحرك بها النبي مند بعثة حتى انتقل إلى الرفيق الاعلى هو من جهت ثانية تبصرة للحركة الاسلامية في خطهاالسياسي للوصول الى اهدافهافي اقامةحكم الله فى الارض "[29]

وہ منہجی اقدامات جن کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے بعثت کے وقت سے لے کر رفیق اعلیٰ سے جا ملنے تک دعوت و تحریک کی قیادت فرمائی۔ دوسری جہت سے یہ اسلامی تحریک کے لیے اس کے سیاسی راستہ عمل میں ایک رہنمائی اور بصیرت فراہم کرتا ہے، تاکہ وہ زمین میں اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے اپنے مقاصد تک پہنچ سکے۔

جبکہ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول پوری انسانی تاریخ کا واحد تعمیری انقلاب محمد رسول اللہ کا لایا ہوا انقلاب ہے۔[30] سیرت نگاری کے روایتی طرز تحریر سے قطع نظر محرکانہ سیرت نگاری میں عقیدت اور معجزات کی بجائے سیاسی، سماجی اور معاشی میادین میں رہنمائی کے حصول پر زور دیا گیا اور اس مقصد کے لئے سیرت مطہرہ کے اصلاحی اقدامات جیسے میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ اور مواخاۃ مدینہ کو جدید انقلابی نظریات کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہی نکتہ نظر نوجوان نسل کے لئے اسوہ حسنہ کو بہترین حکمت عملی کے طور پر قبول کرنے میں بھی مددگار ثابت ہو گا۔ تحریکی رجحان کی نمایاں خصوصیت یہ رہی کہ اس میں نہ تو اعتزاری رجحان کے مطابق معجزات اور مافوق الفطرت واقعات کا رد پیش کیا گیا اور نہ ہی مناظرانہ سیرت نگاری کی مانند مخالفین اسلام پر اعتراضات پیش کرنے پر اپنے علم، وقت کو صرف کیا گیا۔ بلکہ صرف سیرت نبوی ﷺ کی رہنمائی میں دورِ جدید کے مسائل اور چیلنجز کا حل پیش کیا گیا۔ سید سلیمان ندوی کی خطبات مدارس،[31] مولانا سید مودودی کی سیرت سرور عالم،[32] اور نعیم صدیقی کی محسن انسانیت[33] اور ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرتی تحریریں [34] اس محرک کی نمائندہ کتب شمار ہوتی ہیں۔

سیرت نگاری کے اس رجحان نے جہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو بطور سپہ سالار، مبلغ و داعی، سفارت کار، فاتح اعظم اور سماجی انقلابی حیثیت سے پیش کیا وہاں دوسری طرف آپ ﷺ کے نبوی و اعزازی فضائل کی مرکزیت کو کم کر دیا اور سیرت کو اشتراکیت اور جمہوریت جیسی تحریکات کے برابر لا کھڑا کیا، جو بہر حال بطور مسلمان ایک قابل قبول صورتحال نہیں ہے۔

ان تمام حالات و واقعات کے زیر اثر اسلامی دنیا کے وہ مفکرین سامنے آئے جنہوں نے اسلامی روایات کی جدید فکری و سائنسی بنیادوں پر تشریح کی۔ عقل و خرد کے استعمال کو اسلامی نکتہ نظر سے واضح کیا۔ اس امر پر زور دیا کہ تحقیق و تنقید کا رستہ اپنائے بغیر فکری شعور کا حصول ممکن نہیں۔ ان مفکرین میں مصر سے جمال الدین افغانی (1897-1838)، محمد عبدہ (1905-1849) برصغیر میں سر سید احمد خان (1898-1817ء)، علامہ اقبال (1938-1877ء) ایران سے مرزا فتح علی اخوند زادہ (1878-

1812)، ڈاکٹر علی شریعتی (1933-1977) عرب سے طاہر (الجزائری) (1852-1920) اور بطرس البستانی (1819-1883ء) سمیت بے شمار دیگر علماء نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنایا اور اس مقصد کے لئے بے شمار قربانیاں دیں۔

برصغیر پاک وہند میں ابھرنے والی نئی فکری لہر جس نے سیرت نگاری میں عقلی توجیہ کو مرکزی مقام دینے کی کوشش کی، ایک طرف تو مغربی عقل پسندی کے اثر کا نتیجہ تھی، لیکن دوسری طرف یہ اسلامی علمی روایت میں عقل کے کردار کے بارے میں ایک قدیم بحث کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش بھی تھی۔ اس لہر کے نمایاں ترین نمائندے سرسید احمد خان تھے جنہوں نے سیرت کے مافوق الفطرت واقعات کی عقلی اصولوں کی روشنی میں فہم و تعبیر کی ضرورت پر زور دیا۔ سرسید کے نزدیک عقل بذریعہ قانون قدرت ایک آزاد اور بالا دست معیار ہے جس کی روشنی میں نص کی وسیع تاویل جائز ہے۔[35] سرسید کی پیش کردہ بنیاد علمائے وقت کی جانب سے شدید تنقید کا شکار بنی سرسید کی تاویلات کا رد عمل محض علمی نقد تک محدود نہ رہا بلکہ بعض علماء کی جانب سے باقاعدہ فتاویٰ کفر تک جا پہنچا، کیونکہ سرسید کے ناقدین کے نزدیک یہ معاملہ محض تاویل کی حدود کا اختلافی مسئلہ نہ تھا بلکہ ان کی عقلی بصیرت کو اسلامی عقائد کی بنیادی خلاف ورزی سمجھا گیا۔ جبکہ دوسری طرف عقل و نقل کی اس بحث نے برصغیر میں سیرت نگاری کو مختلف پیرائے میں بیان کرنے کے لئے بنیاد فراہم کی جس نے واقعات سیرت کی روایتی تحقیق و تدوین کے ساتھ ساتھ موضوعاتی، تاریخی اور کلامی مباحث کو بھی سیرت نگاری کا حصہ بنایا، جس کا ذکر ماقبل برصغیر کی کتب سیرت میں دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ علمائے اسلام عقل و نقل کی اس باہمی تعلق کو از سر نو واضح کرنے کی کوشش کریں جس میں عصر حاضر کی سائنسی بالادستی، مغربی اصول تحقیق اور جدید علم الکلام کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمان نوجوان کیلئے سیرت طیبہ کی بہترین اور جامع تعبیر پیش کی جائے، جو اسوہ حسنہ[36] کی عظمت کا مکمل احاطہ کر سکے۔

\-

References

1 al-Qur’ān, 3:31.

2 Ibn Manẓūr, *Lisān al-ʿArab*, (Beirut: Dār Ṣādir, 1414 AH), 4:389.

3 Syed ʿAbdullāh, *Fan-e Sīrat Nigārī par Ek Naẓar*, (Islamabad: Fikr-e Manẓar, April 1972), 86.

4 Humāyūn ʿAbbās Shams, *ʿUlūm al-Sīrah*, (Lahore: Progressive Books, 2020), 52.

5 1905), 56.

6 ʿAbd al-Raḥmān Badawī, *Manāhij al-Baḥth al-ʿIlmī*, (Cairo: Dār al-Nahḍah al-ʿArabiyyah, 1964), 5.

7 Abū al-Iʿjāz Ḥafīẓ Ṣiddīqī, *Kashshāf Tanqīdī Iṣṭilāḥāt*, (Islamabad: Muqtadirah Qawmī Zabān, 1985), 13.

8 Muḥammad ibn Isḥāq ibn Yasār, *Kitāb al-Siyar wa al-Maghāzī*, (Beirut: Dār al-Fikr, 1978), 112.

9 al-Qasṭallānī, Aḥmad ibn Muḥammad, *al-Mawāhib al-Ladunniyyah bi al-Minaḥ al-Muḥammadiyyah*, (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1996), 74.

10 Sir Syed Aḥmad Khān, *Khuṭbāt-e Aḥmadiyyah fī al-ʿArab wa al-Sīrah al-Muḥammadiyyah*, (Lahore: Dost Associates, 1997).

11 Ghulām Aḥmad Parvez, *Miʿrāj-e Insāniyyat*, (Lahore: Ṭulūʿ-e Islām Trust, 1978).

12 Shiblī Nuʿmānī, *Sīrat al-Nabī*, (Azamgarh: Maṭbaʿ Maʿārif, 1974).

13 Sulaymān Manṣūrpūrī, *Raḥmat li-l-ʿĀlamīn*, (Lahore: Kāshī Rām Press, 1924).

14 Maḥmūd Aḥmad Ghāzī, *Muḥāḍarāt Sīrat*, (Lahore: al-Faiṣal Nāshirān, 2009), 197.

15 Isrār Aḥmad, *Manhaj-e Inqilāb-e Nabawī*, (Lahore: Anjuman Khuddām al-Qurʾān, 2011), 11.

16 Qāḍī Aṭhar Mubārakpūrī, *Khilāfat-e Umayyah aur Hindustān*, (Lahore: Islamic Publishing House, n.d.), 106.

[17] Muḥammad Ikrām, *Rūd-e Kausar*, (Lahore: Idārah Thaqāfat-e Islāmiyyah, 1979), 78.
[18] Ghāzī, *Muḥāḍarāt Sīrat*, 607.
[19] Ishtiyāq Ḥusain Quraishī, *Bar-e Ṣaghīr Pāk-o-Hind kī Millat-e Islāmiyyah*, trans. Hilāl Aḥmad Zubairī, (Karachi: University of Karachi, 1967), 25.
[20] Muḥammad Ikrām, *Rūd-e Kausar*, 79.
[21] Anwar Maḥmūd Khālid, *Urdū Nasr mein Sīrat-e Rasūl ﷺ*, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1989), 210.
[22] Ibid., 233.
[23] Muḥammad Ḥusain Haykal, *Ḥayāt-e Muḥammad ﷺ*, trans. Muḥammad Masʿūd ʿAbduh, (Lahore: al-Faiṣal Nāshirān, n.d.), 23.
[24] Khālid, *Urdū Nasr mein Sīrat-e Rasūl ﷺ*, 377.
[25] Najībah ʿĀrif, "Nau-Ābādiyātī ʿAhd mein Urdū Sīrat Nigārī: Rujḥānāt wa Asālīb," in *Maqālāt Bain al-Milālī Seminar: Daur-e Jadīd mein Sīrat Nigārī ke Rujḥānāt*, (Islamabad: Idārah Taḥqīqāt-e Islāmī, March 2011), 363.
[26] Ghāzī, *Muḥāḍarāt Sīrat*, 629.
[27] Sulaymān Nadwī, *Ḥayāt-e Shiblī*, (Azamgarh: Dār al-Muṣannifīn, 1943), 15.
[28] Khālid, *Urdū Nasr mein Sīrat-e Rasūl ﷺ*, 414.
[29] Munīr Muḥammad al-Ghaḍbān, *al-Manhaj al-Ḥarakī li-l-Sīrah al-Nabawiyyah*, (al-Zarqāʾ, Jordan: Maktabat al-Manār, 1990), 75.
[30] Khālid ʿAlawī, Dr., *Insān Kāmil*, (Lahore: University Book Agency, 1974), 174.
[31] Sulaymān Nadwī, *Khuṭbāt-e Madāris*, (Lahore: Idārah Maṭbūʿāt Ṭalabah, 1995),
[32] Abū al-Aʿlā Mawdūdī, *Sīrat Sarwar-e ʿĀlam*, comp. Naʿīm Ṣiddīqī and ʿAbd al-Wakīl ʿAlawī, 5th ed., (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1989).
[33] Naʿīm Ṣiddīqī, *Muḥsin-e Insāniyyat*, (New Delhi: Markazī Maktabah Islāmī Publishers, 1978).
[34] *Fikr-o Naẓar*, Special Issue on Dr. Ḥamīdullāh, no. 41 (June 2003).
[35] Sir Syed Aḥmad Khān, *Khuṭbāt-e Aḥmadiyyah*, 62.
[36] al-Qur'ān, 33:21.